مغرب کے شعری نظریے اور بیسویں صدی کا ادب

خالد محمود عطا

صدر شعبۂ اردو

ایچی سن کالج، لاہور

WESTERN POETIC CONCEPTS AND TWENTIETH CENTURY LITERATURE

Khalid Mehmood Ata
Chairman
Department of Urdu, Aitcheson College, Lahore

Abstract

Society has been influenced by poetry. This debate has its roots in Greek literature. This article brings out the facts and arguments related to this concern. The article is an attempt to depict the effects of this view upon the twentieth century literature to a certain extent.

Keywords:

مباحث، جواز، عہد، الہامی قوت، منشا، ثانیہ، نظریے، ارتداد، مذہبی تصورات، فنی تصورات

زندگی ہر آن تبدیلی کی زد میں رہتی ہے۔اسی لیے ہر زمانے میں نت نئے مسائل پیدا ہوتے ہیں نئے نئے سوال سر اٹھاتے ہیں۔چنانچہ ہم ہر صدی میں چند سوالات ابھرتے دیکھتے ہیں۔اس صورتحال میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ہر صدی اور ہر عہد کا اپنا ایک علیحدہ سوال نامہ ہوتا ہے۔سو سال کی تحدید یقیناً صدی کے لیے ہے کسی عہد کے لیے نہیں کیونکہ ایک عہد بعض اوقات کئی صدیوں پر مشتمل بھی ہوسکتا ہے۔ہر عہد کے پیدا کردہ سوالات کے مختلف النوع جوابات ترتیب پاتے ہیں۔اہل فکر ودانش اپنی اپنی بساط کے مطابق نہایت غور وخوض کے بعد اپنا اپنا نقطہ نظر واضح کرتے ہیں۔اِن جوابات اور نکتہ ہائے نظر سے اتفاق اور اختلاف کرنے والے حلقے گروہ اور گروہ تحریک میں متشکل ہوکر اپنے اپنے عہد کا سرنامہ بن جایا کرتے ہیں۔اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ اہل فکر ودانش میں اختلاف کا ہونا معاشرے کی اجتماعی ذہانت میں زندگی اور تابندگی کا ایک قوی ثبوت ہے۔اسی سے تحریکیں جنم لیتی اور فکر ونظر کے نئے نئے زاویے سامنے آتے ہیں۔

شاعری کا وجود معاشرے کے لیے ضروری ہے یا غیر ضروری اس بحث کا آغاز مغرب میں انیسویں صدی میں ہوا جبکہ شاعری پوری طرح اپنے رنگ بکھیر رہی تھی۔لیکن یہاں اس امر کی وضاحت ازحد ضروری ہے کہ یہ بحث پہلی مرتبہ نہیں چھڑی بلکہ بہت پہلے یہی بحث جہاں بڑی شد ومد سے ہوئی وہ یونان کی سرزمین تھی۔یہاں شاعری کے پہلے نقاد افلاطون نے شاعری کی مخالفت کی۔یاد رہے کہ افلاطون خود پیدائشی شاعر تھا مگر اُس نے اپنے استاد کے زیر اثر اپنی نظموں اور ڈراموں کو جلا ڈالا۔شاعر ہونے کے باوجود شاعری کے بارے میں اپنے نکتہ نظر پر افلاطون اس درجہ سختی سے کاربند تھا کہ اُس نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''جمہوریہ'' میں معاشرے کی تشکیل سے متعلق جو خاکہ پیش کیا اُس میں سے شاعر کو خارج کردیا۔علاوہ ازیں افلاطون نے شاعر اور شاعری پر جو اعتراضات باندھے اُن میں سے کچھ یہ تھے۔

شاعر اپنی ذہنی اور تخلیقی صلاحیتوں اور صفات کی وجہ سے معاشرے کے استحکام، بہاؤ اور ارتقا میں خلل پیدا کرتا ہے وہ خود کو اچھا اور فعال شہری ثابت نہیں کرپاتا اور نہ ہی دوسروں کو اچھا شہری بننے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔وہ انسانی جذبات واحساسات میں ہیجان پیدا کرکے اُسے تخریب کی طرف مائل کرتا ہے جو سراسر برائی اور بدی کا راستہ ہے۔

اپنی کتاب ''ارسطو سے ایلیٹ تک'' میں شاعر اور شاعری پر افلاطون کے اعتراضات کے ضمن میں ڈاکٹر جمیل جالبی کہتے ہیں کہ شاعر پر افلاطون کا ایک بہت بڑا اعتراض یہ تھا کہ وہ حقیقت کی تصویر کشی نہیں کرسکتا کیونکہ وہ حقیقت سے دو درجے دُور ہوتا ہے۔

اربابِ فکر ودانش میں اختلاف اجتماعی معاشرتی ذہانت کی دلیل ہے کہ ارسطو افلاطون کا نامور

شاگرد تھا لیکن شاعری کے حوالے سے اس کے نظریات وخیالات اپنے استاد سے یکسر مختلف تھے اُس نے شاعری کی حمایت کی اور اس کے جواز کو ثابت کرنے کی کوشش بھی کی۔

افلاطون اور ارسطو زمانہ قبل مسیح کے مفکر اور دانشور تھے۔ان کے شاعری کے متعلق مختلف النوع خیالات ونظریات اپنے عہد کے اہم سوال بن کر اُبھرے اور اپنے بعد آنے والے کئی زمانوں کے مفکرین اور اہل دانش کے فہم وتدبر کو ایک کشمکش سے دوچار کر گئے۔چنانچہ آنے والے ادوار میں شاعری سے متعلق مباحث عالمی اور مغربی تاریخ ادب کا حصہ بن گئے۔

مسیحیت کے آغاز کے تین سو سال بعد کا زمانہ تیرہ سو سال پر مشتمل ہے۔ایک دہائی سے زیادہ یہ عرصہ یورپ میں عہدِ ظلمت کے نام سے پکارا جاتا ہے۔اس دور میں شاعری اور مذہب کو لازم وملزوم خیال کیا جاتا رہا بلکہ اس دور میں تو دینیات کو شاعری تصور کر لیا گیا تھا۔یہ بات اس دور کا المیہ ہونے کے علاوہ شاعری کی تاثیر پر بھی دلالت کرتی ہے۔خود شاعری کے اوّلین مخالف افلاطون کو بھی اس بات کا اعتراف تھا کہ شاعری الہامی قوت سے معرضِ وجود میں آتی ہے اور یہ کہ شاعری ''حقیقت'' کی نقل ہے یہ اور بات ہے کہ شاعری ''حقیقت'' سے دو درجے دور ہوتی ہے افلاطون کے شاعری کے اس مشروط خراجِ تحسین پر افلاطون کا شاگرد ارسطو اپنے اُستاد کے نقل (Mimesis) والے نظریے پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہتا ہے کہ انسان میں نقل کرنے کی خصلت جبلی اور ازلی ہے بلکہ نقل کے ذریعے وجود پانے والے نمونوں سے لطف اندوز ہونے کا جذبہ بھی اُس میں موجود ہے۔شاعر انسان ہونے کے ناطے زندگی کی بے معنی نقل نہیں کرتا بلکہ نقل کے ذریعے وہ عالمِ مثال تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے جو افلاطون جیسے عظیم فلسفی کا مطمحِ نظر بھی ہے۔اِن مباحث نے اہل مغرب کو شاعری کی بابت سوچنے پر مجبور کیا۔چنانچہ سولہویں صدی میں جب یورپ میں نشاۃ ثانیہ کا آغاز تھا تو انگلستان کے شاعر سر فلپ سڈنی جس کا زمانہ حیات ۱۵۵۴ء تا ۱۵۸۶ء ہے شاعری پر عائد شدہ الزامات کی نہ صرف تردید کی بلکہ معاشرے میں اس کی اہمیت اور افادیت کو اپنے مشہور مقالے ''شاعری کا جواز'' میں واضح کیا۔تفہیم وتفقہ کا یہ سفر صدیوں جاری رہا اور انیسویں صدی تک پہنچتے پہنچتے انگریز ادیب تھامس لو پیکوک (Thomas Love Peacock) نے شاعری کی مخالفت کرتے ہوئے ایک بار پھر اس نظریے کا اظہار کیا کہ دنیا کو اب شاعری کی چنداں ضرورت نہیں رہی۔تھامس لو پیکوک نے بڑے زوردار طریقے سے کہا کہ یہ دور سائنس کا دور ہے اور اس دور میں شاعری ایک بربریت کے سوا کچھ نہیں۔

پیکوک کے اس نظریے سے اندازہ ہوتا ہے جیسے وہ سمجھتا تھا کہ سائنس کی بدولت دنیا ارتقا اور ادراکِ حقیقت کی بہترین منزل تک آن پہنچی ہے اور اب شاعری وقت کی بربادی کے سوا کچھ نہیں لیکن پھر اسی

عہد میں مشہور شاعر ''شیلے'' نے جس کا زمانہ حیات ۱۷۹۲ء تا ۱۸۶۶ء ہے اپنا عہد آفرین مقالہ ''شاعری کا جواز'' لکھا اور شاعری کا اہمیت اور افادیت کو دلائل و براہین سے ثابت کیا۔ مشہور انگریز نقاد میتھو آرنلڈ کہتا ہے:

"Without poetry our science will appear incomplete and most of what now passes with us for religion and philosphy will be replaced by poetry"(۱)

یعنی شاعری کے بغیر ہماری سائنس نامکمل ہے اور شاعری عنقریب مذہب اور فلسفے کی جگہ لے لے گی۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ جس شدّ ومد سے شاعری کی مخالفت ہوئی اُسی گھن گرج سے اس کی موافقت ہوئی مثال کے طور پر یورپ میں نشاۃ الثانیہ کے دور شاعری کے خلاف جو نقطہ نظر پیش کیا اُس کا ردّ اُس قوت اور استدلال کے ساتھ ۱۸۲۱ء میں شیلے نے کر دیا۔

''ویکو'' نے شاعری کی مخالفت کرتے ہوئے کہا: ''پورے طور پر ترقی یافتہ ذہن میں شاعری کے لیے کوئی جگہ نہیں۔''(۲)

اس خیال اور نظریے کا ارتداد بھی شیلے نے ۱۸۶۱ء میں کر ڈالا۔

ڈاکٹر جمیل جالبی کے بیان کے مطابق شاعری کی مخالفت کی بہت سی وجوہات میں سے ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ ہم فنی تصورات کو مذہبی تصورات میں گڈمڈ کر دینے کے عادی ہو چکے تھے۔ یہ رجحان بڑے عرصے تک رہا اور بڑی تعداد میں دانشوروں کا رہا۔ ''ہیگل'' نے اسے باقاعدہ ایک نظریے کے طور پر پیش کیا اس حوالے سے ڈاکٹر جمیل جالبی رقم طراز ہیں:

''شاعری کی موت یا جدید دور میں شاعری کے بوڑھے ہو جانے کا نظریہ ہیگل ہی سے مخصوص نہیں ہے جس نے اس نظریے کو باقاعدہ طور پر ایک شکل دی بلکہ انیسویں صدی کے اوائل میں اس نظریے کو کئی مصنفوں نے موضوعِ سخن بنایا۔''(۳)

عالمی جنگ نے جو افراتفری پیدا کی اُس نے کلچر کو بھی ردّ و بدل سے دوچار کر دیا نئے طبقات پیدا ہوئے جن میں سے کچھ روایت کے مخالف اور کچھ روایت سے یکسر نابلد تھے۔ اسی کے نتیجے میں جب اعلیٰ روحانی قوتوں کی مدافعت کمزور ہوئی تو ردّعمل نے شاعری کے جواز کو بڑی شدت سے اُجاگر دیا۔ نتیجتاً یورپ میں انیسویں صدی میں شاعری کے دلدادہ پیدا ہوئے اور شاعری نے پذیرائی بھی حاصل کی اور لوگوں نے شاعری سے توقعات وابستہ کیں۔ دانشوروں نے شاعری کے جواز کے لیے دلائل مرتب کرتے ہوئے اس کی ضرورت کا احساس رکھتے ہوئے اس کی نئی نئی تعریفیں وضع کیں۔ شیلے نے ۱۸۲۱ء میں لوپیکوک کی

''The four ages of poetry''

کی تردید میں اپنے رسالے میں شاعری کے متعلق کہا کہ شاعری اُس کے نزدیک بہترین دماغوں اور دلوں کے مسرت سے بھرپور بہترین لمحوں کی روداد ہے۔

- شاعری ایک یزدانی اور الوہی چیز ہے۔
- شاعری علم وعرفان پر محیط ہے اور اس علم وعرفان کا ذکر بھی ہے۔
- شاعری سائنس کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور سائنس کے لیے مرجع بھی ہے۔(۴)

شاعری کے بارے میں ان آرا اور تصورات پر کسی حد تک شیلے کی جذباتیت اور روحانیت کا رنگ غالب ہے لیکن شاعری کے مفہوم کے بارے میں اُس کا تصور خاصہ وسیع ہے۔اُس کے نزدیک ہر وہ شے شاعری ہے جو خارج کی تہہ میں چھپے ہوئے کسی بھید یا معانی کا پتہ دے یا اس سے تعلق ظاہر کرے۔

ہینری بریمنڈ (Henri Bremond) خالص شاعری کا علمبردار رہا۔ اُس کے نزدیک خالص شاعری وہ ہے جس کا جوہر نہ واقعات ہوں، نہ جذبات نہ افکار اور نہ ہی ایسی چیز جو ہم نثر میں تلاش کرتے ہیں بلکہ اُس کے نزدیک یہ کوئی اور ہی شے ہے جس کی وہ واضح تعریف بھی متعین نہیں کر پاتا۔ راپین (Rapin) شاعری کی صفات بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

> ''شاعری میں چند ایسی چیزیں بھی ہوتی ہیں جو بیان سے باہر ہیں اور جن کی کوئی توجیہ یا توصیف نہیں کی جا سکتی انہیں شاعری کے سربستہ اسرار کہنا چاہیے ایسے کوئی الفاظ موجود نہیں جو اُن لطافتوں اور دل کی پذیرائیوں کو بیان کر سکیں جو کسی واضح ادراک کے بغیر دل پر جادو کا سا اثر کرتی ہیں۔''(۵)

اس تعریف کے مطابق دیکھا جائے تو راپین کے نزدیک خالص شاعری ایک نہایت پُراسرار چیز ہے۔ ادھر آپ شیلے کی رائے بھی دیکھ چکے جس کے نزدیک ''شاعری ایک یزدانی اور الوہی چیز ہے۔'' سو خالص شاعری کی تعریف میں کم وبیش یہی الزام جذباتیت اور روحانیت ''راپین'' پر بھی عائد ہو سکتا ہے۔

شیلے اور راپین کی آرا میں یکسانیت کا عنصر موجود ہے جب کہ شیلے اور ''فرڈرش شلر'' کے شاعری کے بارے میں یقین اور نظریے میں یکسانیت کا احساس موجود ہے۔ دونوں کے نزدیک جمالیاتی عمل ایک غیر جانبدارانہ مزاج رکھتا ہے۔ شلر کے نزدیک جمالیاتی عمل کسی مخصوص مقصد سے آزاد ہوتا ہے اور اپنی بے عملیت کی وجہ سے روحانی طور پر موثر بھی ہوتا ہے۔ شیلے اخلاقی مقاصد کی تکمیل کے لیے شاعری کا مخالف ضرور ہے مگر وہ ساتھ ساتھ یہ بھی خیال ظاہر کرتا ہے کہ شاعری میں وہ قوت بدرجہ اتم موجود ہے کہ وہ اخلاقی پستی سے انسان کو نکال لے اور انسان کو خیر اور نیکی کی طرف راغب کر دے۔ شیلے کے نزدیک:

''شاعری ہمارے باطن کی نظر کے سامنے سے وہ پردہ اٹھا دیتی ہے جو ہمارے وجود کو ہم سے چھپائے رکھتا ہے۔''(۶)

کروچے جس کا زمانہ حیات ۱۸۶۶ء سے ۱۹۵۲ء تک ہے پورے آدمی کا تصور پیش کرتا ہے اور خالص شاعری کو اس لیے رد کرتا ہے کہ وہ زندگی پر تازہ بارش کا کام نہیں دیتی بلاشبہ وہ جسمانی ضرورت کو پورا کرتی ہے جیسے شراب تمباکو، مقویات اور قوتِ باہ کی دوائیں تاہم اُس کے نزدیک شاعری صرف موسیقی نہیں یہ آوازوں کی ترتیب کا نام نہیں بلکہ موسیقی کی اپنی ایک روح ہے جو ہماری قوتِ متخیلہ کو متحرک کر ڈالتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر شاعری خیال اور آواز کے سنگم سے ہوتی ہے تو پھر وہ کیا چیز ہے جو آواز اور خیال کی شکل اختیار کرتی ہے اس کا جواب وہ یوں دیتا ہے:

''وہ پورا آدمی ہے وہ آدمی جو سوچتا ہے ۔ارادہ کرتا ہے محبت اور نفرت کرتا ہے۔ جو طاقتور بھی ہے اور کمزور بھی جو عظیم بھی ہے اور ستم رسیدہ بھی جو اچھا بھی ہے اور برا بھی وہ آدمی جو زندگی کی خوشیوں اور غموں میں پھنسا ہے اور ساتھ ہی ساتھ وہ آدمی جو اس میں پیوست ہے ارتقا کے عمل میں انسان کی ساری فطرت کی کاوش شامل ہوتی ہے۔''(۷)

کروچے پورے آدمی کو تخلیق کی بنیاد خیال کرتے ہوئے شاعری کو انسانی زندگی کے ارتقا کے لیے استعمال کرنے کا قائل ہے۔آئی۔اے۔رچرڈز نے شاعری کے سلسلے میں دو اہم سوالات اٹھائے ہیں ایک یہ کہ شاعری کیا ہے؟ اور دوسرا یہ کہ شاعری کی اہمیت کیا ہے؟

جہاں تک دوسرے سوال کا تعلق ہے نقادوں، دانشوروں اور فلسفیوں نے صدیوں اس پر سوچا اور آرا کا اظہار کیا۔رچرڈز نے بھی اس سوال کا جواب دیا تاہم اس سے پہلے کہ ہم اس سلسلے میں اس کے خیالات کو سمجھیں ضروری ہے کہ شاعری کیا ہے؟ اس کے بارے میں رچرڈز کے خیال کی تفہیم کریں۔ وہ میتھیو کے اس خیال سے متفق نظر آتا ہے کہ شاعری کے لیے خیال ہی سب کچھ ہے۔

اس خیال کی وضاحت کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ ذہن انسانی بہت سے رجحانات اور میلانات سے مرکب ہے۔بعض قوی میلانات دوسرے میلانات کو متاثر کرتے ہیں زندگی کی نئی نئی ضرورتیں جب ذہنی نظام کو متاثر کرتی ہیں تو پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں اور شاعری ان پیچیدگیوں کو حل کر کے ذہنی نظام میں عدم توازن کے بعد توازن پیدا کرتی ہے۔ ہر چند کہ شاعری اس توازن کو بعض صورتوں میں بگاڑ دیتی ہے تاہم اس کا اصل کام بالآخر اس نظام میں توازن پیدا کرنا ہے۔آئی۔اے رچرڈز کا نفسیاتی نظریہ شاعری کی اہمیت، افادیت کا بھرپور احساس دلاتا ہے۔

سائنس اور شاعری کا موازنہ صدیوں سے ہوتا رہا ہے۔شاعری کے مخالفین نے شاعری کے مقابلے میں سائنس کو زندگی اور حقیقت کے قریب قرار دیتے ہوئے بعض اوقات شاعری کو یکسر غیر ضروری اور وقت کا ضیاع قرار دیا ہے تاہم فلاسفہ نے اس کی تردید کرتے ہوئے دلائل دیے اور سائنس کو روحِ انسانی کے افادے اور تسکین میں معذور قرار دیا۔رچرڈز سائنس اور شاعری کا موازانہ کرتے ہوئے ان کے درمیان فرق کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ وہ سائنسی بیان کو حقیقت پر مبنی بیان قرار دیتا ہے جبکہ شاعرانہ بیان کو فرضی لیکن یہی فرضی بیان ہمارے رویوں کو بطور زندہ انسان منظم کرتا ہے۔رچرڈز اپنی کتاب ''سائنس اور شاعری'' میں یہاں تک کہتا ہے:

''تہذیب صرف شاعری کے ذریعے بچ سکتی ہے ورنہ اس کا مستقبل مخدوش ہے۔''(۸)

چنانچہ ہم رچرڈز کے نفسیاتی نظریے کے مطالعے سے یہ بات اخذ کرتے ہیں کہ وہ شاعری میں ایک خاص نظریے کا حامل تھا شاعری کے خلاف ہرگز نہ تھا بلکہ شاعری کو تہذیب کی بقا کے لیے بے حد اہم قرار دیتا تھا۔

ٹی۔ایس۔ایلیٹ صرف ایک شاعر ہی نہ تھا بلکہ نقاد بھی تھا۔اس کی ایک کتاب The Use Of Poetry And The Use Of Critcisim ۱۹۳۳ء میں اور دوسری کتاب On The Poetry And Poets ۱۹۵۷ء میں آئی جن سے اس کے شعری نظریات اور شاعری کے بارے میں خیالات کا واضح ابلاغ ہوتا ہے۔ان کتب سے ہم بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ انیسویں صدی کے شعری نظریے کس وجہ بیسویں صدی کے ادب پر غالب رہے۔ایلیٹ جس کی پیدائش ۱۸۸۸ء میں امریکہ میں ہوئی لیکن وہ ۱۹۱۴ء میں انگلستان منتقل ہوا اور ۱۹۲۷ء میں اُس نے باقاعدہ انگلستان کی شہریت اختیار کر لی گویا اپنی زندگی کے سن وسال اور اپنی تخلیقات کے حوالے سے بیسویں صدی پر انیسویں صدی کے اثرات کو پوری طرح نمایاں کرتا ہے لہذا اس کے خیالات بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ایلیٹ نے روایت اور ماضی کے ورثے کی اہمیت کو بڑی وضاحت سے ثابت کیا ہے لیکن شاعری کے ضمن میں وہ پیرایہ اظہار کی اہمیت کو بھی اجاگر کرتا ہے۔اُس نے اپنے مضمون شاعری کی موسیقی میں شاعری کی امتیازی حیثیت پر اظہار خیال کیا ہے۔اُس کے مطابق وہ دبستان غلطی پر ہیں جو فن کی بجائے فنکار کی نجی زندگی کو اہم قرار دیتے ہوئے پیرایہ اظہار کی خوبی وخامی کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

وہ شاعر کو نثر نگار سے علیحدہ قرار دیتا ہے اور اس علیحدگی اور امتیاز کی وجہ شاعرانہ زبان ہے۔

ایلیٹ کا نظریہ یہ بھی ہے کہ شاعری اپنے لیے ہونے کے ساتھ ساتھ عملاً دوسروں کے لیے بھی ہوتی ہے۔''شاعری کی تین آوازوں'' کے عنوان سے مضمون میں اسی نکتے کی وضاحت کی ہے۔پہلی آواز میں شاعر اُس کے نزدیک خود سے بات کرتا ہے دوسری آواز میں دوسروں کو مخاطب کرتا ہے جبکہ تیسری آواز میں وہ کوئی

کردار تخلیق کرتا ہے جس سے اپنی جگہ کوئی بات کہلواتا ہے۔اہل نظر کے اس سوال کا جواب اُس نے نفی میں دیا ہے کہ کیا کوئی نظم صرف اپنے لیے نہیں ہوسکتی؟ کیونکہ ابلاغ کی خوبی شعر کی جبلت میں ہے پھر شعری ابلاغ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے وہ لازم قرار دیتا ہے کہ ہر قوم کی اپنی شاعری ہو:''کوئی فن شاعری سے زیادہ قومی خصوصیات کا حامل نہیں ہوتا۔''(۹)

بہر کیف ایلیٹ کا شاعری کی اہمیت 'افادیت' اور ضرورت کا اعلان کرتے ہوئے اس کے لیے چند اصول وضع کرنا اُس کے ذہن میں موجود شاعری کی اہمیت کو اُجاگر کرتا ہے۔ایلیٹ کے افکار خیالات اور نظریات سے واضح ہے کہ وہ انیسویں صدی میں شاعری کے حوالے سے مثبت نظریات کا علمبردار تھا اور یہ کہ بیسویں صدی پر انیسویں صدی نے جو اثرات مرتب کیے اس کے نتیجے میں شاعری کی اہمیت اور افادیت مسلمہ ہے۔یہ الگ بات کہ نئے نظریات ہر صدی کی پہچان بن کر اُبھرتے ہیں تاہم ان نظریات کی بنیاد کسی حد تک گذشتہ صدیوں سے مماثل ہوتی ہے۔مثال کے طور پر بیسویں صدی میں رومانوی اور علامتی تحریکیں بڑے طمطراق سے اُبھریں لیکن ان کے تفصیلی مطالعے سے ان کے ڈانڈے بھی انیسویں صدی سے ملتے دکھائی دیتے ہیں۔انگلستان میں رومانوی تحریک اور فرانس میں علامتی شاعری کی تحریک کے علمبردار انیسویں صدی کے شعری نظریات سے بڑی حد تک متاثر دکھائی دیتے ہیں۔

ایڈگر ایلن پو امریکی شاعر اور فرانس کے علامتی شاعری کے علمبردار رومانوی تحریک کے مخالفین میں شمار ہوتے ہیں مگر ساتھ ہی انھیں انیسویں صدی کے شعری نظریات کا گرویدہ دیکھتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) عبداللہ سید،ڈاکٹر،''اشاراتِ تنقید''اسلام آباد،مقتدرہ قومی زبان،۱۹۸۶ء،ص۹۹

(۲) جمیل جالبی،ڈاکٹر،''ارسطو سے ایلیٹ تک''نیشنل بک فاونڈیشن،کراچی،۲۰۰۳ء،ص۴۰۶

(۳) ایضاً

(۴)عبداللہ سید،ڈاکٹر،''اشاراتِ تنقید'' اسلام آباد،مقتدرہ قومی زبان،۱۹۸۶ء،ص۸۹

(۵) محمد ہادی حسین،''مغربی شعریات''مجلس ترقی ادب،لاہور،۱۹۶۷ء،ص۳۹۳

(۶) جمیل جالبی،ڈاکٹر،''ارسطو سے ایلیٹ تک''نیشنل بک فاونڈیشن،کراچی،۲۰۰۳ء،ص۴۱۰

(۷) ایضاً،ص۴۰۵

(۸) عبداللہ سید،ڈاکٹر،''اشاراتِ تنقید''اسلام آباد،مقتدرہ قومی زبان،۱۹۸۶ء،ص۱۱۳

(۹) ایضاً،ص۱۱۸

✿✿✿